

# قرآن کریم کی روشنی میں افراد سازی

(۲)

از: اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منور و اشرف، ہمسٹی پور، بہار

## تعلیم

شخصیت سازی کے لیے جس طرح عملی زندگی میں ادب و اخلاق، صلاح و تقویٰ، کردار کی بلندی، دل و نگاہ کی پاکیزگی اور لب و لہجہ کی شائستگی ضروری ہے، وہیں تعلیم و تربیت اور فکری بالیدگی کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اس سے زندگی میں دوام اور شخصیت میں آفاقیت پیدا ہوتی ہے اور انسان دور رس نتائج کے حامل کارناموں کو انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے، اسی لیے قرآن پاک نے جہاں نبی کریم ﷺ کے فرائض منصبی پر روشنی ڈالی ہے، وہاں ایمان و اخلاق کے بعد تعلیم کا تذکرہ بھی کیا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (آل عمران: ۱۶۳)

ترجمہ: خدا نے اہل ایمان پر بڑا احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں؛ جب کہ پہلے یہ لوگ گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ آیت کریمہ فرائض رسالت اور کارہائے نبوت کے سلسلے میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے، اس میں قرآن کریم نے کار نبوت کی تمام تفصیلات کو صرف تین عنوانات کے تحت سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

۱- تلاوت آیات ۲- تزکیہ اخلاق و عمل ۳- تعلیم کتاب و حکمت

✽ تلاوت آیات میں بنیادی تعلیم (جس کو قرأت بھی کہہ سکتے ہیں) اور ایمان و یقین کی آبیاری اور محنت کی ساری تفصیلات داخل ہیں، اس لیے کہ شخصیت کی ابجد قرأت سے شروع ہوتی

ہے اور اسی راستے سے قلب و روح میں ایمان اور عقیدہ کا تخم پڑتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس میں رسوخ حاصل ہوتا ہے؛ اسی لیے وحی کا پہلا سبق اس طرح شروع کیا گیا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (علق: ۱-۲)

ترجمہ: پڑھا اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو بستہ خون سے پیدا کیا۔  
عبدالرحمن مجبور کے درمیان رابطہ اور تعلق کی جتنی تفصیلات ہیں، وہ بھی تلاوت آیات کی ضمن میں آتی ہیں؛ اس لیے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور خدا کا کلام پڑھنا گویا اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرنا ہے، رابطہ کی ابتدا بھی یہی ہے اور انتہا بھی یہی؛ اسی لیے پوری کئی زندگی میں جس کو ہم مختصر لفظوں میں ایمانی دور کہہ سکتے ہیں، اس میں کلمہ ایمان اور نماز اور تلاوت کے ماسوا کوئی حکم شرعی (اعمال کی قبیل سے) ہم کو نہیں ملتا اور یہ سب رابطہ الہی ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا آیت بتاتی ہے کہ ایمان یعنی اللہ اور بندے کے تعلق پر محنت فرائض نبوت کی پہلی منزل ہے اور انسان کی شخصیت کی تعمیر میں بھی اس کا درجہ اولین ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں ہم عرض کر چکے ہیں۔

دوسرا مرحلہ تزکیہ ہے اس کی اہمیت پر ہم پچھلے صفحات میں گفتگو کر چکے ہیں۔

تیسرا اور آخری مرحلہ تعلیم و تفکر ہے، یہی چیز نبی آخر الزماں ﷺ کو تمام نبیوں اور رسولوں میں امتیاز بخشی ہے، یہی آپ کا نسخہ انقلاب ہے، یہی بات اس آخری امت کو امت وسط بناتی ہے، یہی دعائے خلیل اور نوید مسیحا کا حاصل ہے، یہ ختم نبوت کی علامت ہے، اسی سے حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد اس امت کی بقا وابستہ ہے اور یہی چیز افراد و اقوام کو زندگی کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور اس میں خدا کی وہ کتاب بھی شامل ہے، جو وسیع کائنات میں چہار طرف پھیلی ہوئی ہے، خود قرآن کریم بھی بار بار انسانوں کو خدا کی اس کھلی کتاب کی طرف متوجہ کرتا ہے اور عہد گذشتہ کے واقعات سے عبرت آموز تاثر پیدا کرتا ہے۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ، لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ (الغاشیہ)

ترجمہ: کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اونٹ کیسے پیدا کیے گئے، آسمان کس طرح اٹھائے گئے، پہاڑ کس طرح نصب کیے گئے اور روئے زمین کیسے پھیلایا گئی، آپ ان کو سمجھائیں، آپ ناصح اور سمجھانے

والے ہیں، ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔

اس طرح کی بیشمار آیات قرآن کریم میں موجود ہیں بطور نمونہ یہی ایک کافی ہے۔  
قرآن اس نئے دور میں علم و عرفان اور فکر و فلسفہ کا بانی ہے، پہلے کبھی علم کو وہ درجہ نہیں دیا گیا، جو اسلام میں دیا گیا؛ اسی لیے پہلے کی تاریخوں میں وہ آفاقی شخصیتیں بھی نہیں ملتی جو عہد اسلامی کے آغاز کے بعد ملتی ہیں، قرآن نے دنیا کو نیا ذہن اور نئی فکر دی، اشیا کے حقائق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کی طرف ذہنوں کو متوجہ کیا اور ان کو علم و عرفان اور ظلم و جہل کا فرق بتایا، علم کے نور سے شخصیتوں میں چار چاند لگائے اور انسانوں کو ایک نئے علمی دور کے لیے تیار کیا، یہ قرآن کا وہ معجزانہ کارنامہ ہے، جو اسلام سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔

ہم اس موقع پر قرآن کے اندازِ تربیت، ذہنی ارتقا کے مراحل اور کچھ علمی نکات کی طرف اشارہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ قرآن علم کی بنیاد پر افراد و اقوام کو کس طرح تیار کرتا ہے اور قرآنی تعلیمات کی بدولت ایک عام انسان کس طرح بڑے کارناموں کے لائق ہو جاتا ہے۔

## ذہن سازی

قرآن نے ایمان و عمل کے بعد انسان کو علم و جہل، نور و ظلمت اور تمدن و وحشت کا فرق سمجھایا؛ اس لیے کہ ذہنی تیاری کے بغیر کوئی نصب العین پورا نہیں ہو سکتا، جب تک انسان کو خیر و شر میں امتیاز نہ ہوگا، وہ شعوری طور پر خیر کو نہیں اپنا سکے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (زمر: ۹)  
ترجمہ: اے نبی! آپ کہہ دیجیے کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو نہیں رکھتے ہیں، برابر ہو جائیں گے؟ عقل والے ہی بات سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن نے اس قوم کی ترقی کی ضمانت دی جو علم و معرفت کے راستے پر گامزن ہو:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (مجادلہ: ۱۱) اللہ اہل علم کے درجات بلند کرتے ہیں۔  
قرآن نے عقل و فکر سے جاہلانہ جمود ختم کرنے کے لیے آفاق و انفس میں غور کرنے کی

دعوت دی:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ  
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ

وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۰-۱۹۱)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کی گردش میں نشانیاں ہیں، عقل والوں کے لیے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت میں (پھر بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بلا وجہ پیدا نہیں کیا، تو ہر عیب سے پاک ہے، ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

## دعوت انقلاب

جب قرآن نے محسوس کیا کہ اب اس قوم کی حسیت جاگ اٹھی ہے اور اس کی قوت فکریہ اپنی پرواز کے لیے کسی وسیع خلا کو ڈھونڈ رہی ہے، تو فوراً اس نے انقلاب اور حرکت و عمل کی دعوت دی اور اس کو سمجھایا گیا کہ دنیا میں انقلابات عدم کے پیٹ سے وجود میں نہیں آ جاتے؛ بلکہ اس کے لیے زبردست محنت کرنی پڑتی ہے، زندہ قوم اپنی تقدیر کے فیصلے اپنے عزم کے ہاتھوں لکھتی ہے، وہ امکانات اور وسائل کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا گوارا نہیں کرتی؛ بلکہ ناممکنات سے امکانات اور مشکلات سے آسانیوں کو فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے، وہ حالات کے بدلنے کا انتظار نہیں کرتی؛ بلکہ دستِ ہمت سے وہ حالات کا رخ پلٹ دیتی ہے اور اندھیروں سے ڈر کر، وہ اپنا سفر موقوف نہیں کرتی؛ بلکہ احکامِ الہی کے چراغِ اندھیرے راستوں پر جلاتی ہوئی چلی جاتی ہے:

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

مومن فقط احکامِ الہی کا ہے پابند

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدٍّ لَهُ وَمَالَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ (سعد: ۱۱)

ترجمہ: بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا؛ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل ڈالے اور جب اللہ کسی قوم کو برے دن دکھانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور اللہ کے سوا ایسوں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہو سکتا:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

قرآن نے قوموں کے خیر و شر کا مدار خود اس کے اپنے اعمال پر رکھ دیا ہے، جو قوم یہ کہتی ہو کہ کیا کریں حالات اور قسمت نے ہمیں پیچھے کر دیا؟ وہ درحقیقت اپنی بزدلانہ کم ظرفی کا اظہار کرتی

ہے، قرآن کہتا ہے کہ جو قوم جیسا عمل کرتی ہے اس کے ساتھ قدرت کا فیصلہ اسی کے مطابق ہوتا ہے:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ حَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال: ۷-۸)

ترجمہ: جو ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔

قرآن نے صاف طور پر اس قوم کو خسارہ کا سودا کرنے والی قرار دیا ہے، جس میں نور باطنی کے ساتھ ساتھ اخلاق و عمل کی اسپرٹ موجود نہ ہو اور قرآن اس کے لیے تاریخ عالم اور حوادث روزگار کو بطور شہادت پیش کرتا ہے، جیسا کہ سورۃ العصر کے حوالہ سے پچھلے سطور میں عرض کیا گیا۔

## انقلابی ہدایات

یہ کسی قوم کو تدریجی انقلاب کی طرف لانے کے لیے قرآن کے طرزِ تعلیم کا دوسرا مرحلہ تھا، فکر و عمل کی پیہم تاکیدات کے بعد جب یہ قوم کسی عمل کے لائق ہوگئی اور علم و فن، تہذیب و تمدن اور تجارت و سیاست کے میدان میں اترنے کے قابل ہوگئی، تو اس کو کچھ اشارات دیے گئے، ہدایات و احکام سے نوازا گیا، اسرارِ عالم سے پردہ اٹھایا گیا، عقل و خرد اور فکر و فن کے وہ راز بتائے گئے جو آج تک کسی مصلح قوم نے اپنی قوم کو نہ بتائے تھے اور خود خالق کائنات نے اپنی دنیا کے بعض حقائق و علل کی نشاندہی کی، جس کی روشنی میں چل کر آج دنیا فلسفہ جدید اور سائنٹفک دور تک پہنچی۔

حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے جس کتاب الہی نے فکر و فلسفہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کو آسمان و زمین اور مخلوقاتِ عالم میں غور کرنے کی دعوت دی وہ قرآن تھا، قرآن سے قبل کسی بڑے سے بڑے آشنائے راز نے بھی ان حقائق کا پردہ چاک نہ کیا، جو خدا کے خزانہ غیب میں مستور تھے، اس طرح گویا قرآن ہی کتابِ ہدایت ہونے کے ساتھ فکر و فن کی بھی پہلی کتاب ہے؛ مگر افسوس کہ خود ہم نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور غیروں کے کا سہ لیس ہو کر رہ گئے:

دیکھ آ کر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو  
وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، مخمل بھی تو

## زبان و قلم کی ضرورت

قرآن نے عہدِ جدید کی تخلیق کے لیے زبان و قلم پر زور دیا: اس لیے کہ عالم الغیب والشہادۃ خوب جانتا تھا کہ اب جو دور آنے والا ہے، وہ سائنٹفک دور ہوگا، خود اس نئے دور کی بنیاد رکھ رہا تھا

اور سائنٹفک دور زبان و قلم پر تعمیر ہوگا؛ چنانچہ سب سے پہلی وحی جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے الفاظ یہ تھے:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (علق)

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو بستہ خون سے، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے علم سکھایا۔

قرآن میں ایک پوری سورت ہی قلم کے نام سے ہے، اس سورہ کی ابتدا ہی میں اللہ نے قلم اور لکھنے کی قسم کھائی ہے، جو قرآنی اسلوب میں قلم کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے:

ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ (القلم) ترجمہ: قلم کی قسم اور اس کی جو لوگ لکھتے ہیں۔ ایک طرف قرآن نے مسلمانوں کو زبان و قلم کی جانب متوجہ کر کے، ان کو ذرائع ابلاغ و ترسیل سے نوازا تو دوسری طرف رموز کائنات کے تعلق سے بعض ایسے اشارات دیے، جن سے قوت فکر کو ہمیز ملتی ہے۔

## طواہر طبعی

قرآن نے بعض آیات میں ان اسباب طبعی کی کرشمہ سازیوں کا ذکر کیا ہے، جو اکثر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں؛ مگر جمود یا غفلت کی بنا پر وہ ان میں غور نہیں کرتے اور نہ ان سے کوئی سبق حاصل کرنا چاہتے ہیں:

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حُلِيَّةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ (رعد: ۱۷)

ترجمہ: آسمان سے پانی اسی نے برسایا، پھر ندی نالے اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہہ نکلے اور پانی کے ریلے نے ابھرتے ہوئے جھاگ کو اوپر اٹھالیا اور آگ میں تپا کر زیور بناتے وقت یا کام کی دوسری کوئی دھات کو بھٹی میں پگھلایا جاتا ہے، اس میں بھی ایسا ہی جھاگ اٹھ کر اوپر آ جاتا ہے، اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتے ہیں، تو جو کوڑا کرکٹ ہوتا ہے، وہ سوکھ کر ضائع ہو جاتا ہے اور لوگوں کے نفع کی چیز زمین میں رہ جاتی ہے، اسی طرح اللہ سچی مثالیں بیان کرتا ہے۔

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ  
الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (انبیاء: ۳۰)

ترجمہ: کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین دونوں بند تھے، پھر ہم نے ان کو کھول دیا اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا، کیا پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے؟  
اس آیت میں زمین و آسمان کی ابتدائی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے، جس کو موجودہ زمانے میں ”بگ بینک“ نظریہ کہا جاتا ہے، جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق زمین و آسمان کا تمام مادہ ایک بہت بڑے گولے (سپرائٹم) کی شکل میں تھا، معلوم طبعیاتی قوانین کے تحت اس وقت اس کے تمام اجزاء اپنے اندرونی مرکز کی طرف کھینچ رہے تھے اور انتہائی شدت کے ساتھ باہم جڑے ہوئے تھے پھر نا معلوم اسباب کی بنا پر اس گولے کے اندر ایک دھماکہ ہوا، اور اس کے تمام اجزاء بیرونی سمتوں میں پھیلنے لگے، اس طرح بالآخر یہ وسیع کائنات وجود میں آئی، جو آج ہمارے سامنے ہے:

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ  
وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ (انبیاء: ۳۱-۳۲)

ترجمہ: اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ ان کو لے کر جھک نہ جائے اور اس میں ہم نے کشادہ راستے بنائے؛ تاکہ لوگ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں زمین کی چند نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں ایک پہاڑوں کے سلسلے ہیں جو سمندروں کے نیچے کے کثیف مادہ کو متوازن رکھنے کے لیے سطح زمین پر ابھر آئے ہیں، اس سے مراد غالباً وہی چیز ہے، جس کو جدید سائنس میں ارضی توازن (Isostasy) کہا گیا ہے، اسی طرح زمین کا اس قابل ہونا بھی ایک بڑی نشانی ہے کہ اس میں انسان اپنے لیے راستے بنا سکتا ہے، زمین کہیں ہموار ہے تو کہیں پہاڑی دُرے اور کہیں دریائی شکاف ہیں۔

اسی طرح آسمان کا محفوظ چھت ہونا بھی بہت بڑی نشانی ہے کہ آسمان اور اس کے ساتھ پھیلی ہوئی پوری فضا کی ترکیب اس طور پر ہے کہ وہ ہم کو سورج کی نقصان دہ شعاعوں سے بچاتی ہے اور شہابِ ثاقب کی یورشوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ، وَسَخَّرَ لَكُمُ  
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ، وَآتَاكُم مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنَّ

تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ (ابراہیم: ۳۲-۳۳)

ترجمہ: اور سمندر میں کشتیاں تمہارے تابع کر دیں، جو اس کے حکم سے چلتی ہیں اور بہتی ہوئی ندیوں اور نہروں کو تمہارے لیے کام میں لگا دیا اور سورج اور چاند کو تمہاری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے مقرر کیا، جو ایک ضابطہ پر مسلسل چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہارے کام میں لگا دیا اور تمہاری ضرورتوں کے ہر ایک سوال کو اس نے پورا کیا اور اللہ کی نعمتوں کو اگر تم گننا چاہو تو گنتی کا شمار پورا نہ کر سکو گے، بیشک انسان بڑا بے انصاف اور ناشکر ہے۔

اس آیت میں قرآن نے تسخیر کائنات کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی ہے اور پہلی بار اس راز سے پردہ اٹھایا کہ دنیا کی یہ تمام چیزیں انسان کی خدمت گزار ہیں، ان کا درجہ انسانوں سے بالاتر نہیں؛ بل کہ فروتر ہے، اسلام سے قبل انسان نادانی کی بنا پر وسیع کائنات کی عظیم الشان مخلوقات سے اتنا مرعوب تھا کہ ان کی پرستش میں اپنی خیر محسوس کرتا تھا، سب سے پہلے قرآن نے اس مرعوبیت کا خاتمہ کیا اور انسان کو اس کا مقام یاد دلایا:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاحِجٍ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ

بِحَاذِرِينَ (حجر: ۲۲)

ترجمہ: جو جھل اور رس بھری ہوا کے جھونکے بھیج کر ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر تم کو خوب سیراب کیا؛ جب کہ تم اپنی ضرورت کے مطابق پانی کا خزانہ جمع نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس آیت کی کسی دقیق علمی تفسیر سے گریز کرتے ہوئے، اگر ظاہری معنی ہی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ظواہر طبعی کے چند مہمات پر روشنی پڑتی ہے، آیت میں تو بظاہر ہوا کا فائدہ بیان کیا گیا ہے کہ ہواؤں کے چلنے سے ابر باراں کا نزول ہوتا ہے؛ مگر قدرتی طور پر یہاں ابر و باد کے رشتہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ہوا چلنے سے بادلوں کا سفر شروع ہوتا ہے اس سفر کے دوران بادلوں کے درمیان تصادم ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں کڑک اور اس کے ساتھ ہی بجلی پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد بارش کی فیاضی شروع ہوتی ہے... اس طرح صرف اس ایک آیت سے کڑک، بجلی کی چمک اور بارش کے نزول کے بارے میں کتنے سائنسی نکتے معلوم ہو جاتے ہیں؛ بل کہ یہیں سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ بجلی کی تخلیق مثبت اور منفی اثرات کے آبی تصادم سے ہوتی ہے، اس انکشاف سے انسانی عقل اس حقیقت تک پہنچی، جو آج ہمارے پاس الیکٹرک نظام کی شکل میں



موجود ہے۔

## چند علمی حقائق

قرآن میں جہاں ظاہر بینوں اور عام عقل والوں کی ہدایت و روشنی کے لیے ظواہر طبعی سے استدلال کیا گیا ہے؛ وہیں اہل نظر اور ارباب علم و عقل کے لیے دقیق علمی و تکنیکی نکات سے بھی بحث کی گئی ہے، سچ ہے کہ قرآن کوئی فلسفہ و سائنس اور فنون لطیفہ کی کتاب نہیں؛ بل کہ یہ اصل میں کتاب ہدایت ہے، جس کا مقصد ساری انسانیت کو محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جمع کرنا ہے؛ مگر چونکہ یہ ایک کامل و مکمل کتاب ہے اور ہر دور کے لیے کافی رہنمائی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس بنا پر اس میں عام عقلی و بدیہی استدلالات سے لے کر دقیق سائنسی حقائق سے بھی تعرض کیا گیا ہے؛ تاکہ ہر قسم کا مذاق رکھنے والوں کے لیے یہ کتاب بہتر غذا مہیا کر سکے، ہمارے محققین نے اس موضوع پر بہت کام کیا ہے؛ اس لیے تفصیل کے لیے انھیں کی طرف مراجعت کی جائے۔

میرا مقصد صرف کُرگسوں میں پلے ہوئے شکست خوردہ شاہینوں کو یہ بتانا ہے کہ جس علم و فن کی تلاش اور جس آبِ حیات کی جستجو میں وہ مغرب کے بت کدوں کی خاک چھان رہے ہیں، وہ خود ان کے گھر میں موجود ہے، مغرب انھیں علم و فن کی بعض جزئیات سے آگاہ کر سکتا ہے اور آبِ حیات کے چند قطرات فراہم کر سکتا ہے؛ جب کہ خود ان کے گھر میں علم و فن کی کلیات پر مشتمل کتاب (قرآن) موجود ہے، وہ ایک قطرہ آب کے لیے پریشان ہیں؛ حالانکہ خود ان کے مذہب کی سلسبیل سے چشمہ حیات بہہ رہا ہے، وہ یورپ کے آشیانوں میں شاہبازی کے آداب سیکھنے جارہے ہیں؛ جب کہ قرآن ان کو اس سے بدرجہا بہتر طور پر سکھانے کو تیار ہے؛ بشرطیکہ وہ اس پر توجہ دیں۔

وہ شکست خوردہ شاہین جو پلا ہو کر کسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ دریم شاہبازی

اس ضمن میں چند نمونے پیش کرتا ہوں:

## سورج کے بارے میں قرآنی تصور

سورج کے بارے میں قرآن کا تصور یہ ہے کہ وہ اپنے مدار میں گردش کرتے ہوئے اپنی مقررہ منزل کی جانب رواں دواں ہے:

وَالشَّمْسُ تَحْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ، وَالْقَمَرَ قَدَرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ، لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (س: ۳۸-۴۰)

ترجمہ: اور سورج اپنے ٹھکانہ کی طرف چل رہا ہے یہ عزیزِ علیم پروردگار کا مقرر کردہ نظام ہے اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں؛ یہاں تک کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے، سب آسمانی سمندر میں تیر رہے ہیں۔

اس آیت میں قرآن نے سورج کی حرکت کے بارے میں کتنا دو ٹوک نظریہ دیا ہے؛ مگر سائنس کی حیرانی و پریشانی دیکھیے کہ ایک زمانہ میں سائنس نے یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ سورج اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور زمین اپنے محور پر گردش کر رہی ہے اور اسی سے لیل و نہار وجود میں آرہے ہیں؛ مگر کچھ ہی دنوں کے بعد حقائق نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ نظریہ غلط تھا اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ: سورج بھی اپنے مدار پر گردش کر رہا ہے۔

مغربی سائنس دانوں نے اس انکشاف کو جو اہمیت دی، اس کا اندازہ ایک مشہور ماہر فلکیات محقق ”سیمون“ کی کتاب کے اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے، جو انھوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے:

”اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ سب سے اہم ترین حقیقت کیا ہے، جس کا انکشاف انسانی عقل نے کیا ہے تو میں اس کے جواب میں سورج، چاند اور ستاروں کے نام لوں گا، جن کے بارے میں یہ انکشاف کیا گیا کہ یہ سب بسیط فضا میں گول گنبد کی طرح بڑی تیزی کے ساتھ گردش کر رہے ہیں، جو ہمارے احساس سے بالاتر ہے“

(مضمون جریان الشمس: عبدالرحمن فرناس، مجلہ العلم والایمان ۱۹۷۶ء)

## کواکب کے بارے میں قرآنی نظریہ

کواکب و سیارات کے بارے میں قرآنی نظریہ یہ ہے کہ وہ آسمان کی چلی سطح کو خوبصورت بھی بناتے ہیں اور مضر اثرات اور طاعون کی یورشوں سے حفاظت کا کام بھی کرتے ہیں:

إِنَّا زَيْنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ، وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ، لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْأَمَلِ الْأَعْلَىٰ وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ، دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ، إِلَّا مَنْ

حَاطَفَ الْحَاطِفَةِ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات: ۶-۱۰)

ترجمہ: ہم نے آسمان کو زرق برق ستاروں سے سجایا اور ہر شیطان سرکش سے اس کو محفوظ کیا، وہ ملا اعلیٰ کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر طرف سے مارے جاتے ہیں؛ تاکہ ان کو بھگایا جائے اور ان کے لیے ایک دائمی عذاب ہے؛ مگر جو شیطان کوئی بات اچک لے تو ایک دھکتا ہوا شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔

## زمین کے متعلق قرآنی تصور

قرآن نے آج سے چودہ صدی پیشتر ہی زمین کی خلقت، اس کی تشکیل اور اس کی حرکت کے متعلق مباحث دنیا کے سامنے رکھ دیے تھے جس پر جدید سائنس ایک حرف کا بھی اضافہ نہ کر سکی۔  
 ﴿زمین کی خلقت کے متعلق قرآن کا نظریہ یہ ہے کہ: زمین انسانی آبادی کے قابل چھ مرحلوں کے بعد ہو سکی۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (حید: ۴)  
 ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، چھ دنوں میں، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا۔  
 قُلْ إِنِّي كُنْتُ نَسْفُوتٌ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ، وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلنَّاسِ لَيْلٌ (حم مجہد: ۹-۱۰)

ترجمہ: اے نبی! کہہ دیجیے کیا تم لوگ اس ہستی کا انکار کرتے ہو، جس نے زمین کو دو دن میں بنایا اور تم اس کے لیے ہم سرٹھڑاتے ہو، وہ رب ہے تمام جہان والوں کا اور اس نے زمین کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھ دیں اور اس کی غذاؤں کا نظام چار دنوں میں بنایا ضرورت مندوں کی تکمیل کے لیے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین و آسمان اور کائنات کو اللہ نے چھ (۶) یوم میں پیدا کیا، اس کے بعد ہی زمین انسانی آبادی کی متحمل ہو سکی؛ مگر یوم سے مراد یہاں لیل و نہار کے دو مدار نہیں ہیں، جو سورج کی چوبیس (۲۴) گھنٹے کی گردش سے مکمل ہوتا ہے اور نہ قطب ارضی مراد ہے جو عموماً چھ (۶) ماہ کی گردش کے بعد دن یا رات کی صورت میں پیدا ہوتا ہے؛ بل کہ یوم سے مراد وہ قرآنی مدت ہے، جس کو قرآن کی دوسری آیات میں بیان کیا گیا ہے:

إِن يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (حج: ۴۷)

ترجمہ: بیشک ایک دن تیرے رب کے نزدیک تمہارے شمار کے ہزار (۱۰۰۰) سال کے برابر ہے۔

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج: ۴)  
ترجمہ: فرشتے اور روح الامین وہاں تک ایک دن میں چڑھ کر پہنچتے ہیں، جس کی مقدار پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) سال کے برابر ہے۔

اس طرح ان آیات سے وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زمین انسانوں کے رہنے کے قابل اصطلاحی طور پر چھ یوم یا چھ مرحلوں کے بعد ہوئی، جو ایک طویل ترین مدت ہے، آغاز کے وقت سے تکمیل تک کے درمیانی مراحل کیا تھے؟ قرآن اس کے بارے میں خاموش ہے اور سائنس کی بھی مجال نہیں کہ وہ اپنی طرف سے ایک حرف بھی بتا سکے۔

## زمین کا ابتدائی مادہ

قرآن زمین کے ابتدائی مادہ کے بارے میں کہتا ہے کہ: یہ پہلے پانی میں پوشیدہ تھا اور پانی ہی اس کی اصل علت ہے، زمین اس کے اندر سے نمودار ہوئی۔  
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (ہود: ۷)

ترجمہ: اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا؛ جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا؛ تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون بہتر عمل کرتا ہے۔

علم زولوجی کی رسائی بھی اس سے آگے تک نہیں ہو سکی ہے، اس کا نظریہ بھی یہی ہے کہ: ”زمین کو اس کی ابتدائی حالت میں بخارات نے ڈھانپ رکھا تھا، جو بعد میں پانی سے تبدیل ہو گیا، پھر وہ پانی نشیب میں اترنے لگا اور اس سے نہریں اور سمندر بنتے چلے گئے۔“ (احمد محمود سلیمان، مضمون القرآن والعلم، مجلہ العلم والايمان، شمارہ ۷ نومبر ۱۹۸۱ء)

## درمیانی مراحل

عمل تخلیق کے آغاز کے بعد زمین جن مختلف مراحل سے گزری، قرآن ان کو اشاراتی طور پر زمانی ترتیب کے ساتھ بیان کرتا ہے:

وَالْأَرْضُ بَعْدَ ذَلِكَ ذَحْيًا، أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَهَا، وَالْجِبَالُ أَرْسُلًا (النازعات: ۳۰-۳۲)

ترجمہ: اور زمین کو اس کے بعد پھیلا یا، اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو قائم کر دیا۔

اس آیت سے زمین کے عملِ تخلیق کے درمیانی مراحل پر روشنی پڑتی ہے کہ زمین کا مادہ جو عالمِ آب میں مستور تھا، وہ ظاہر ہونے کے بعد پھیلنا شروع ہوا، اور پھر سطحِ ارض کے نشیبی حصوں میں پانی اترنے لگا، جس سے نہریں اور سمندر بنتے چلے گئے، اس کے بعد اس کے اندر سے پہاڑی چٹانیں برآمد ہوئیں، جو بتدریج اونچے پہاڑوں کی شکل میں تبدیل ہو گئیں۔

## زمین کا قالب

قرآن نے زمین کے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ زمین کی شکل و صورت کیسی ہے؟ آج کے جدید سائنسی دور میں یہ مشہوری بات ہے کہ زمین کرہ (گیند) کی طرح گول ہے یعنی خطِ استواء سے دیکھا جائے تو وسیع ترین نظر آتی ہے اور اس کے قطبین سے دیکھا جائے تو وہ چھوٹی اور معمولی نظر آتی ہے، مگر سائنس کا بیان قرآن کے بیان پر اضافہ نہیں ہے قرآن نے بھی زمین کے قالب کا یہی نقشہ اپنے الفاظ میں کھینچا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (رعد: ۴۱)

ترجمہ: کیا انھوں نے غور نہیں کیا؟ کہ زمین کو ان پر ہم اس کے کناروں سے کم کرتے ہیں، حکم صرف اللہ کا رہے گا، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور حساب لینے میں اسے کچھ بھی دیر نہیں لگے گی۔

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ (انبیاء: ۴۴)

ترجمہ: بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ داداؤں کو ایک مدت تک برتنے کو سامانِ زندگی دیا اور طویل عمر گزارنے پر بھی حق بات ان کی سمجھ میں نہ آ سکی، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ زمین کو ہم چاروں طرف سے ان پر کم کرتے ہیں تو کیا اب بھی کچھ امکان رہ گیا ہے کہ یہ غالب آجائیں گے۔

نقص من أطرافها کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ زمین اپنے کناروں سے چھوٹی معلوم ہوتی ہے، تو زمین کا کروی قالب ہونا صاف ثابت ہوتا ہے: اس لیے کہ ہر گول جسم خطِ استواء سے وسیع اور طرفین سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔

## خلقت انسانی کے بارے میں قرآنی نظریہ

اسی طرح قرآن نے انسانی تخلیق اور اس کے درمیانی مراحل پر بھی بھرپور روشنی ڈالی ہے، قرآن کے بیان کے مطابق جب مرد کا نطفہ عورت کے رحم میں جاتا ہے، تو کچھ مدت کے بعد وہ بستہ خون بن جاتا ہے، اس کے بعد یہ خون بستہ، گوشت کے لوٹھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس کے بعد اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر اس پر گوشت کی موٹی تہیں جم جاتی ہیں اور کچھ دنوں رحم مادر میں تربیت اور نشوونما پا کر ایک نئی صورت میں دنیا کی کھلی فضا کے اندر وہ آ جاتا ہے، جس کو ہم ولادت کہتے ہیں:

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (مومنون: ۱۳-۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے پانی کی ایک بوند کی شکل میں اس کو ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا، پھر ہم نے پانی کی بوند کو بستہ خون کی شکل دی، پھر بستہ خون کو گوشت کا ایک لوٹھڑا بنایا، اس کے بعد لوٹھڑے کے اندر ہڈیاں پیدا کیں، پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اس کو ایک نئی صورت میں بنا کر کھڑا کیا؛ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔  
یہ چند نمونے ہیں جو قرآن کے جدید علمی حقائق کے تعلق سے پیش کیے گئے۔

## علم کی طلب

قرآن کریم کی اُن تعلیمات نے مسلمانوں میں حصول علم کا سپرٹ پیدا کیا اور وہ اس راہ میں بڑھتے چلے گئے، ان کے جذبہ صادق پر حضور ﷺ کے الفاظ نے ہمیز کا کام کیا، آپ ﷺ نے علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَبْطِ وَافِرٍ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں ہے؛ بل کہ ان کی وراثت علم ہے، پس جس نے علم حاصل کیا، اس نے بڑا وافر حصہ پایا۔

پھر یہ کارواں بڑھتا گیا اور علمی طور پر ساری دنیا پر چھا گیا اور پوری روئے زمین ان کے

زیرنگیں آگئی، اس لیے کہ علم تمام تو توں کا سرچشمہ ہے، علم کے ساتھ صدیوں کا سفر لحوں میں طے ہو سکتا ہے اور علم کے بغیر دس قدم بھی پہاڑ ہو جاتا ہے۔

## عہد ماضی کی ایک جھلک

ہم اگر اپنے ماضی کا جائزہ لیں تو ہم کو نظر آئے گا کہ مسلمان علم و فن کے میدان کے کیسے شہسوار تھے اور ساری دنیا میں امامت کا مقام ان کو کس طرح حاصل ہوا؟ یہ تاریخ کی ایسی حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اس موقع پر میں کسی مسلم مؤرخ کا حوالہ دینے کے بجائے ایک غیر مسلم مؤرخ کا حوالہ دینا مناسب سمجھتا ہوں، ایک انگریز مؤرخ جارج سارٹن نے اپنی کتاب ”قدمۃ فی تاریخ العلم“ (جو پانچ ضخیم جلدوں میں ہے) میں علوم و فنون کی تاریخ، ان سے متعلق تجدیدی کارناموں کی تفصیل اور تجدیدی کام کرنے والی اقوام و شخصیات کا جائزہ پیش کیا ہے، اس نے تاریخی حوالوں کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہر نصف صدی کے بعد حالات اور تقاضے بدل جاتے ہیں اور نئے حالات کے مطابق علوم و فنون کی تجدید و اصلاح کا کام کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی مرکزی شخصیت ضرور پیدا ہوتی ہے، اس طرح اس نے ہر نصف صدی پر ایک مجدد کی تلاش کی ہے۔

وہ ۴۵۰ قبل مسیح سے لے کر ۴۰۰ قبل مسیح کے وقفہ کو ”عہد افلاطون“ (ولادت ۴۲۷ وفات ۳۴۷ قبل مسیح) کہتا ہے، اس کے بعد کی صدیوں میں یکے بعد دیگرے ارسطو (ولادت ۳۸۴ وفات ۳۲۲ قبل مسیح) پھر اقلیدس (۳۰۰ قبل مسیح)، پھر ارنیمیدس (ولادت ۲۸۷ وفات ۲۱۲ قبل مسیح) نے علوم کی تجدید و اصلاح کا کام کیا، اس کے بعد چھٹی صدی عیسوی کے آغاز سے ساتویں صدی کے آغاز تک کا زمانہ اس کے نزدیک چین کے علمی ارتقاء و تجدید کا زمانہ ہے، اس کے بعد ۵۰۷ء سے لے کر ۱۱۰۰ء تک کا ساڑھے تین سو (۳۵۰) سالہ طویل عہد خالص مسلمانوں کا عہد ہے، اس پوری مدت میں علوم و فنون کی تمام تر خدمات مسلمانوں نے انجام دیں، یکے بعد دیگرے ان میں مجددین علوم آتے رہے اور علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، جابر بن حیان (۸۱۵ء) سے لے کر خوارزمی (۸۴۹ء)، رازی (۸۶۴-۹۳۲ء) تاریخ داں سیاح مسعودی (۹۵۶ء) البیرونی (۹۷۳-۱۰۴۸ء) اور عمر خیام (۱۱۳۲ء) تک مجددین و محدّام علوم کی لمبی فہرست ہے؛ جنہوں نے علمِ کیمیا، الجبراء، طب، جغرافیا، ریاضیات، الفیزیا اور فلکیات کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں، جن میں کوئی عربی ہے، تو کوئی ایرانی، کوئی ترکی ہے تو کوئی افغانی، خطہ اور رنگ و نسل

سے گذر کر محض اسلامیت نے ان سب کو خدمت و تجدیدِ علوم سے جوڑ رکھا تھا، جارج سارٹن کی نگاہ میں اتنے طویل عرصے تک یورپ میں کوئی قابل ذکر آدمی نظر نہیں آتا، گیارہویں صدی کے بعد ہی جرارڈ کرمونی اور روجر بیکن جیسے کچھ مفکرین پیدا ہوئے اور علم و عقل میں مقام حاصل کیا، درمیان کی صدیاں بھی اسلامی مفکرین سے خالی نہیں رہیں؛ بل کہ علامہ ابن رشد (۱۱۲۶ء - ۱۱۹۸ء) نصیر الدین محمد موسیٰ (۱۲۰۰ء - ۱۲۷۳ء) ابن الغفیس مصری (۱۲۸۸ء) اور ابن خلدون (۱۳۳۲ء - ۱۴۰۴ء) جیسے عبقری علماء نے علم و فن کی وہ خدمات انجام دیں، جن کے سامنے یورپی علماء کے کارنامے پھیکے نظر آتے ہیں۔ (مضمون: اُمۃ العلم من اجل نهضة علمية في العالم الاسلامي: الأستاذ عبد السلام رباليہ: ایونکس آب-ایلول ۱۹۸۱ء ص ۵۱)

یہ تو وہ علوم ہیں، جن کو علوم جدیدہ کہا جاتا ہے اور جن پر نئی دنیا فخر کرتی ہوئی نہیں تھکتی، رہ گئے علوم اسلامی، ادب و بلاغت، فنون لطیفہ، آرٹ، تعمیر و غیرہ، علوم اخلاق، فلسفہ اخلاق، فلسفہ تاریخ، سیر و تراجم، سلوک و روحانیت، فقہ و قانون، زراعت و تجارت اور سیاست و قیادت وغیرہ تو ان کے خادموں اور مجددوں کی بہت لمبی فہرست ہے، جن میں کوئی قوم و ملت مسلمانوں کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

یہ ہے اس کتاب مقدس کا اعجاز جو ہر زمانے میں اور ہر محاذ پر شخصیات اور افراد کی کھپکھپ کی کھپکھپ تیار کرتی رہی ہے اور اس کی یہ صلاحیت آج بھی اسی طرح قائم ہے، فقط ہمیں اس سے کام لینے اور فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے  
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

